رِسَالة فی بَیۡعِ النَّسیئة

مدّت کے عوض قیمت میں اضافہ پر ایک تحریر

امام محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی

تحقیق و تخریج احادیث: عقیل بن محمد بن زید المِقطری

ترجمہ و تلخیص: آصف علی

تعارف (امام شوکانیؒ کے توسط سے)

امام محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی کا سنِ پیدائش ۱۰۹۹ھ ہے۔ آپ مکہ کے شمال مشرق میں واقع ایک علاقہ کحلان میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے آپ کحلانی بھی کہلاتے ہیں۔ ۱۱۰۷ھ میں آپ کے والد آپ کو صنعاء لے گئے' آپ وہیں پلے بڑھے' علم و فضل کی بہت سی منزلیں وہیں طے کیں' پھر مکّہ اور مدینہ کے ممتاز شیوخ سے کسبِ فیض کیا۔ اس کے بعد صنعاء واپس آئے اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی خطے میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

امام شوکانیؒ نے البدر الطالع میں آپ کے جن شیوخ کا ذکر کیا ہے وہ اس وقت صنعاء اور حرمین میں موجود تھے اور ان میں سے ہر کوئی اپنے اپنے علم و فن میں یکتا تھا۔ آپ نے تفسیر' فقہ' حدیث' وراثت' بیان' معانی' منطق' صرف و نحو اور تجوید جیسے علوم میں بہت جلد مہارت حاصل کر لی۔

امام شوکانیؒ نے البدر الطالع میں آپ کے تقریباً آٹھ جلیل القدر شاگردوں کا ذکر کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے وقت کا منتخب مجتہد قرار دیا ہے۔

زہد و تقویٰ: آپ نے دنیا کو کبھی اپنا غم نہیں بنایا۔ لوگ آپ کی حق گوئی کی وجہ سے آپ کے مخالف ہو گئے۔ آپ کی شکایات حکمرانوں کے پاس لے جاتے' حتیٰ کہ آپ کو اتنی بار جیل جانا پڑا کہ مشہور ہو گیا کہ جیل تو آپ کا گھر ہے۔

کیا آپ زیدی تھے؟: امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ امام صنعانیؒ اپنے معاصرین کے حسد کا شکار رہے۔ لوگ آپ کے تبحرِ علمی سے جلتے تھے۔ آپ اپنوں میں تنہا ہو گئے۔ آپ کے بارے میں یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ آپ زیدی شیعہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ دلیل سے بات کرتے تھے' چاہے وہ دلیل کہیں پائی جائے۔ امام شوکانیؒ آپ کو اہل سنت کے بڑے ائمہ میں شمار کرتے ہیں۔

مشہور کتب:

١ ۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام
٢ ۔ منحة الغفار حاشية على ضوء النهار
٣ ۔ التنوير شرح الجامع الصغير للسيوطی
٤ ۔ توضيح الافكار شرح تنقيح الانظار
٥ ۔ تطهير الاعتقاد عن ادران الالحاد
٦ ۔ الايضاح والبيان
٧ ۔ الادلة الجلية فی تحريم النظر الى الاجنبية
٨ ۔ اجابة السائل شرح بغية الامل منظومة الكافل فی اصول الفقه

وفات: آپ نے ۸۳ سال کی عمر میں شعبان ۱۱۸۲ھ میں صنعاء ہی میں وفات پائی۔

آغازِ مضمون

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے ہماری جہالت دور کی۔ درود وسلام ہو عرب وعجم کے سردار اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر جو علم وفضل کے بے کراں سمندر تھے۔ ایک سائل نے مجھ سے کچھ مسائل کے جوابات مع دلائل پوچھے ہیں۔ اللہ ان کا فائدہ عام کرے۔ ان سوالات میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ وہ کون سے محکم دلائل ہیں جو بیع النسیئہ (اُدھار پر مہنگی فروخت) سے متعلق رہنمائی فراہم کریں؛ خاص طور پر ان حالات میں جب یہ لوگوں کی مجبوری بھی ہے اور خرید وفروخت کرنے والوں کی اکثریت اس میں ملوث بھی ہے۔ کیا اس کا تعلق کاروبار کی ان اقسام سے ہے جن پر نکیر واجب ہے یا گناہ ومعصیت کے لحاظ سے اس کا تعلق ان اقسام سے نہیں ہے؟ سائل نے جید علماء کرام کے دلائل کا بھی سرسری ذکر کیا ہے مگر سوال میں کیے گئے کلام کو دہرانے کی بجائے ہم نے اس کا تفصیلی جواب دے دیا ہے۔

ادھار پر بیچی جانے والی شے کی قیمت زیادہ وصول کرنے کے مسئلہ پر علماء کا کوئی واضح موقف موجود نہیں ہے جس سے باشعور لوگوں کے سامنے اس کا یہ حکم واضح ہو کہ اس مسئلہ کے حلال وحرام میں شامل ہونے کا مدار ربا کی حقیقت اور اس کی متفق علیہا ومختلف فیہا صورتوں کی معرفت پر ہے۔

سوال میں کی گئی گفتگو بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حقیقت سود مختلف مسائل میں مختلف درجات پر زیرِ بحث آتی ہے۔ یہ بات کچھ ڈھکی چھپی نہیں کہ بہت سی احادیث میں وارد ہونے والی چھ اجناس میں سود کی حرمت پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے۔ انہی میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے جسے مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''سونا سونے کے بدلے' چاندی چاندی کے بدلے' گندم گندم کے بدلے' جو جو کے بدلے' کھجور کھجور کے بدلے' نمک نمک کے بدلے' یہ سب ہم مثل ہوں اور معاملہ ہاتھ در ہاتھ ہو۔ جس نے زیادہ لیا یا دیا' اُس نے سودی معاملہ کیا' لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔''

یہ وہ چھ اجناس ہیں جن کے متعلق اجماع ہو چکا ہے کہ ان میں سے ہر جنس کی اپنے ہم جنس کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے' جیسا کہ کھجور کی کھجور سے' مگر اس شرط کے ساتھ کہ عوضین ہم وزن ہوں اور معاملہ بھی ہاتھ در ہاتھ ہو [اگر یہ دو شرائط نہ پائی جائیں] تو یہ معاملہ سودی کہلائے گا۔

نصِّ حدیث سے واضح ہے کہ یہ ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں ہو سکتے ہیں اور ربا کی یہ وہ قسم ہے جس کے ربا ہونے پر اجماع ہے۔

یہاں اختلاف اس معاملہ میں ہے کہ دیگر اجناس کا الحاق ان چھ اجناس سے کیا جائے یا نہیں۔ اکثر ائمہ علم الحاق مع دیگر کے قائل ہیں' جبکہ کچھ علماء عدمِ الحاق کے قائل ہیں (یعنی ان چھ چیزوں کے علاوہ کسی شے میں بھی سود نہیں مانتے)۔ ہم اپنے رسالے ''القول المُجتبٰی فی مسائل الربٰی'' میں درست رائے کی نشاندہی کر چکے ہیں۔ الحاق کے قائلین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ الحاق کس علت کی بنیاد پر ہوگا' جبکہ علّت کے مرکب ہونے پر اتفاق پایا جاتا ہے۔ علت کے دو حصوں میں سے پہلا حصہ اشیاء کا ہم جنس ہونا ہے جبکہ دوسرا حصہ مختلف فیہ ہے۔ کچھ کے نزدیک [علت کا دوسرا حصہ] ان کا موزون و مکیل (قابلِ ماپ تول) ہونا ہے' جبکہ کچھ کے نزدیک ان کا اشیائے خوردنی ہونا' اور کچھ کے نزدیک ان کے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت ہے۔

بہرحال اسی طرح کے مختلف اقوال امہاتِ کتب میں تفصیلاً درج ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کے نزدیک جب تک مذکورہ بالا علت نہ پائی جائے نہ ان چھ اجناس میں سود پایا جائے گا اور نہ ان میں جن کا الحاق ان چھ اجناس کے ساتھ صحیح ہے۔ یہ درست ہے کہ ''کسی شے کو مدت کے عوض موجودہ قیمت سے زیادہ پر فروخت کرنے کا مسئلہ'' وضاحت طلب ہے' جیسا کہ ''ضوء النہار'' میں درج ہے کہ:

> ''یہ جواز اس صورت میں ہے جب عوضین جنس اور پیمانے میں مختلف ہوں۔ یہ وضاحت ایک تو اس لیے ضروری ہے کہ زید اور فریقین کے درمیان یہی صورت اختلافی ہے' دوسرے اس لیے کے ہر دو فریق کے درمیان اختلافی بیان میں تکرار سے بچا جائے' اور (واضح رہے کہ) ہم جنس اشیاء کے تبادلے میں کمی بیشی اور مدت کی تاخیر معتبر نہیں ہے۔''

اس سارے کلام سے یہ پوچھنا مقصود ہے کہ مذکورہ معاملہ میں سود نصاً یا علۃً پایا جائے گا یا نہیں؟ یعنی مذکورہ مسئلہ' مسائل ربا سے متعلق ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے' اور جیسا کہ سائل نے مثال دی ہے کہ ایک کپڑا ڈیڑھ سکے کا نقد بیچا جائے یا غلّے کا ایک پیمانہ ایک سکّے کا نقد اور ڈیڑھ کا قرض پر فروخت کیا جائے' تو مذکورہ بالا مسئلہ کے لیے یہ مثالیں بیان کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد وہ بیع ہے جس میں عوضین جنساً و تقدیراً مختلف ہوں۔

لہٰذا عنوان یہ ہونا چاہیے کہ قیمت اور مبیع اگر جنس اور پیمانے کے لحاظ سے باہم مختلف ہوں تو کیا ادھار کے بدلے مہنگی شے بیچنا حرام ہوگا؟ باعث اختلاف یہی صورت ہے۔ علماء کے ایک گروہ نے اسے جائز کہا ہے جبکہ دوسرے نے حرمت کا فتویٰ دیا۔

مجیز (جائز کہنے والے): شے اور قیمت' جنس اور پیمانے میں الگ الگ ہیں اور کسی بھی قول کی رو سے ان میں ربا کی علت نہیں پائی جاتی۔ اور معاملات کی اصل حلّت ہے جب تک کوئی نہی وارد نہ ہو۔

مانع (منع کرنے والا): حرمت کی دلیل یہ ہے کہ ربا اصل میں بڑھوتری کا نام ہے اور یہاں پر بڑھوتری قیمت میں ہے جو مدت کے علاوہ کسی اور وجہ سے نہیں اور مدّت کا عوض نہیں ہوا کرتا۔

مجیز: یہ اضافہ اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک دونوں اشیاء کی جنس ایک نہ ہو۔ جنس یا پیمانے کے جدا

ہونے کی صورت میں اسے ممنوع اضافہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ قیمتیں ویسے بھی اجناس اور پیمانوں کی طرح مستحکم نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اس معاملے میں قیمتوں کی کمی بیشی کوئی ایسی اصل نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے۔ رجوع مستقل اور دائمی اصول ہی کی طرف ہوتا ہے۔

مانع: یہاں اضافہ ثابت ہوتا ہے‘ کیونکہ یہ اضافہ قیمت پر ہے جس سے نقد سودا کیا جاتا ہے۔

مجیز: مگر یہ وہ اضافہ نہیں جسے شارع نے منع کیا ہے۔ انہوں نے اس اضافے سے روکا ہے جو ہم جنس کا ہم جنس پر ہو‘ جبکہ یہاں دونوں اجناس ہی جدا ہیں۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ ''مختلف'' ''متفق'' کی مانند ہوتا ہے تو یہ ایسا استدلال ہے جس پر صاحبانِ بصیرت کان ہی نہیں دھریں گے۔

مانع: یہ اضافہ وصول کرنا باطل ہے اور نصاً حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (النساء:۲۹)

''ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے مت کھاؤ۔''

مجیز: اس اضافہ پر بائع اور مشتری دونوں رضامند ہیں۔ آپ جس آیت سے استدلال کر رہے ہیں اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

''سوائے اس کے کہ تمہارا سودا باہمی رضامندی سے طے پائے۔''

مانع: ربا جس کی حرمت پر اجماع ہے باہمی رضامندی سے حلال ہو جائے گا؟

مجیز: کیوں نہیں‘ اگر سود کی حرمت پر کوئی نص موجود نہ ہوتی تو علی التحقیق حلال ہوتا۔ یہاں اضافہ بلا وجہ نہیں‘ مہلت پر ہے اور یہ خریدار کی ضرورت ہے۔ اضافہ اس نے اپنی ضرورت کے بدلے دیا ہے جبکہ اس کی ضرورت ''ادھار'' ہے‘ چاہے وہ یہ کام اشیاءِ خوردنی جلد حاصل کرنے کے لیے کرے یا کسی اور ضرورت کے تحت۔

مانع: امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا رِبًا اِلَّا فِي النَّسِيْئَةِ)) ''ربا تو ہے ہی قرض میں۔''

مجیز: یہاں نبی اکرم ﷺ کی مراد وہ سود ہے جو نص میں وارد ہونے والے چھ امور سے متعلق ہے‘ یا پھر قائلین الحاق کے نزدیک جس میں ان چھ والی علت پائی جائے‘ جبکہ ہمارا اختلاف ''ادھار پر مہنگی شے بیچنے'' پر ہے جو دونوں اقوال کے تحت ربا کی تعریف میں شامل نہیں ہے‘ مثلاً کپڑے کی نقد قیمت ایک سکّہ ہو اور ادھار پر دو سکّے تو وہ نص اور قیاس دونوں کے تحت ربا کے ذیل میں بالکل نہیں آئے گا۔ اسی طرح آپ حدیث بھی بے موقع لائے ہیں اور اس سے مراد بھی غلط لی ہے۔ اختلاف کرتے ہوئے آپ لفظ ''ربا'' میں الجھ گئے اور آپ نے سمجھا کہ شاید حدیث میں ''نسیئہ'' سے بھی یہی مراد ہے یا یہ مسئلہ بھی حدیث کے مفہوم میں شامل ہے‘ حالانکہ ایسا نہیں۔

مانع: ''البحر'' میں مصنف نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے محلِ نزاع کو اس حدیث سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ عَضُوْضٌ يَعُضُّ الْمُوْسِرُ عَمَّا فِيْ يَدِهٖ وَلَمْ يُؤْمَرْ بِذٰلِكَ))
''لوگوں پر ایسا سخت زمانہ آئے گا جس میں غنی بخیل ہوگا حالانکہ اسے یہ حکم تو نہیں دیا گیا ہوگا۔''
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۳۷)
''آپس میں فضیلت کو مت بھولو''
اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بیع المضطر☆، بیع الغرر اور پھل پکنے سے پہلے ان کی بیع سے منع فرمایا ہے۔
ابن بہران کی تخریج میں اس حدیث کو مکمل طور پر بیان کرنے کے بعد صاحب تخریج نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

(حاشیہ از محقق) ☆ بیع مضطر: ابوداؤد نے اپنی سنن (۳۔۶۷۶) میں حدیث (۳۳۸۲) کے تحت ''باب بیع مضطر'' میں کہا ہے:
((يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ عَضُوْضٌ يَعُضُّ الْمُوْسِرُ عَمَّا فِيْ يَدِهٖ وَلَمْ يُؤْمَرْ بِذٰلِكَ))
''لوگوں پر ایسا سخت زمانہ آئے گا جس میں غنی بخیل ہوگا حالانکہ اسے یہ حکم تو نہیں دیا گیا۔''
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ ''آپس میں فضیلت کو مت بھولو''
''رسول اللہ ﷺ نے بیع المضطر، بیع الغرر اور پھل پکنے سے پہلے ان کی بیع سے منع فرمایا ہے۔'' (ابوداؤد)
احمد نے اس روایت کو اپنی مسند میں ہشیم کے طرق سے روایت کیا ہے، ہشیم نے ابو عامر المزنی سے، انہوں نے بنو تمیم کے شیخ سے، پس یہ روایت انہوں (احمد) نے اسی انداز سے بیان کی ہے۔
ہم کہتے ہیں: یہ روایت شیخ تمیمی کے غیر معروف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
جہاں تک بیع المضطر کی بات ہے تو اس کے متعلق شارح سنن ابی داؤد (صاحب النہایۃ) نے النہایۃ میں کہا ہے کہ: یہ دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ کوئی کسی معاہدہ پر (خارجی) اکراہ کی وجہ سے مجبور ہو جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی لہٰذا منعقد نہیں ہوگی۔
دوسری صورت یہ ہے کہ کسی پر کوئی قرض ہو یا وہ کسی بوجھ تلے دبا ہوا ہو اور (اس وجہ سے) وہ اپنی شے اصل قیمت سے کم پر فروخت کر دے۔ یہ راستہ اس نے مقروض ہونے کی وجہ سے اختیار کیا ہے جبکہ عزت داری اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ (اپنی اشیاء) اس طرح فروخت نہ کرے۔ لیکن وہ شرمندگی اٹھاتا ہے اور خوشحالی کے انتظار میں قرض لے لیتا ہے، یا اچھے دنوں کی امید پر (ادھار پر) خریداری کر لیتا ہے، یا (حیثیت نہ ہونے کے باوجود) اصل قیمت پر سودا خرید لیتا ہے۔ تو ان وجوہات کی بنا پر اگر وہ انتہائی ضرورت کے تحت معاہدۂ بیع کرتا ہے تو اہل علم کے نزدیک بکراہت جائز ہے۔ یہاں (معاہدۂ بیع میں) بیع کا مطلب ہے خرید لینا، یا یہی معاہدۂ بیع وشراء یا یک طرفہ اقرار بیع۔
بیع غرر کے متعلق خطابی کہتے ہیں: غرر کا اصل معنی ہے کہ: کسی چیز کا تمہیں علم نہ ہو یا اس کی حقیقت تم سے پوشیدہ ہو۔ عربوں کا قول ہے: ''طويت الثوب على غره'' ''میں نے کپڑا اتہہ کے نشان سے لپیٹا۔ یعنی اس کی سلوٹوں سے۔''
ہر وہ بیع جسے مجہول یا نامعلوم رکھنا مقصود ہو یا اسے پورا کرنے پر قدرت نہ ہو بیع غرر کہلاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیع غرر سے منع اس اصول کے تحفظ کے لیے کیا ہے کہ لوگوں میں جھگڑا فساد نہ ہو۔ غرر کی کئی قسمیں ہیں۔ (عون المعبود)
رسول اللہ ﷺ کے قول (وبيع الثمرة قبل ان تدرك) کے بارے میں صاحب عون المعبود نے کہا ہے کہ: القاموس میں صاحب القاموس نے کہا ہے:
"وادرك الشيء بلغ وقته والمراد قبل أن يبدو صلاحها"
''چیز اپنی مدت کو پہنچی، یعنی پختگی ظاہر ہونے (کی مدت) سے تھوڑا پہلے (کے وقت کو پہنچی)۔''

مجیز : رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ خبر دینا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب غنی بخل سے کام لیں گے حالانکہ انہیں ہرگز اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہاں صدقے پر ابھارا گیا ہے۔ آیت سے بھی ان کا استدلال غلط ہے اور یہاں بیع النسیئہ کا ذکر کہاں ہے؟

مانع: دلیل اس عبارت میں ہے:

((قد نھی رسول اللّٰہ عن بیع المضطر))

''رسول اللہ ﷺ نے بیع المضطر سے منع کیا ہے۔''

اور نہی میں اصل تحریم ہوتی ہے۔

مجیز : ہم نہیں مانتے کہ بیع النسیئہ بیع المضطر ہے۔ بالفرض ہم یہ تسلیم کر بھی لیں تو بھی آپ مضطر کی خرید و فروخت کی صحت کے قائل ہیں' اس لیے آپ کا یہ استدلال نہیں بنتا جب تک کہ آپ بیع المضطر کی حرمت کے قائل نہ ہو جائیں' جو تا حال آپ نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ کے لیے اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

مانع: اللہ کے رسول ﷺ کا مال کے خرچ میں عفو و کرم پر اُبھارنا بھی ایک دلیل ہے اور تجارت بھی مال کے خرچ ہی کی ایک قسم ہے' جبکہ بیع النسیئہ دنیا کی محنت اور اس کی کثرت کی خواہش پر دلالت کرتی ہے۔

مجیز : اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ ہم اس معاملے کو حدیث کے تحت ایسے ہی لائیں جیسا کہ آپ کہتے ہیں (کہ اللہ کے رسول ﷺ کا مال کے خرچ میں عفو و کرم پر ابھارنا بھی ایک دلیل ہے) تو وہ یہ ہے کہ اس ارشادِ نبوی میں فضل و عطا کا تقاضا ہے نہ کہ وجوب و تحریم کا۔ پھر ہم یہ بھی نہیں مانتے کہ جس زمانے کی طرف اللہ کے رسول ﷺ نے اشارہ کیا تھا وہ آ چکا ہے۔ اور نہ ہی ہم آپ کی اس دلیل کو ثبوت کے بغیر مانتے ہیں کہ مذکورہ زمانہ وہی ہے جس میں بیع النسیئہ کی جائے گی' اور یہ تو بہت دُور کی کوڑی ہے۔

مانع: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرۃ:۲۷۵) ''اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔''

''البحر'' میں اسی سے استدلال کیا گیا ہے۔ ''البحر'' کے شارح کا کہنا ہے:

''آیت کی ظاہری دلالت یہ ہے کہ لغت میں ربا بڑھوتری کو کہتے ہیں لہٰذا ظاہراً آیت سے بیع میں ہونے والی ہر بڑھوتری کی حرمت ثابت ہوتی ہے سوائے اس کے جسے دلیل خاص کر دے۔''

مجیز : اس آیت سے استدلال ہمارے اختلاف کی نوعیت میں درست نہیں ہے' کیونکہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ''ادھار پر شے مہنگی فروخت کرنا'' ربا کے ذیل میں آتا ہے۔ لفظ ربا کا اطلاق اس صورت حال پر نہ ضمناً ہو سکتا ہے نہ التزاماً۔ اور آپ بھی اس پر ہم سے اتفاق کریں گے کہ اس مسئلے پر آپ کے نزدیک بھی لفظ ربا کا اطلاق نہیں ہوتا جب تک دونوں اشیاء جنس اور پیمانے میں ایک سی نہ ہوں۔

مذکورہ آیت ربا کے محل و مقام کے حوالے سے مجمل ہے جسے سنت نے چھ امور میں محدود کر دیا ہے' یا قائلین الحاق کے نزدیک دیگر جو بھی اشیاء ان (چھ) سے ملحق ہو سکیں۔ جہاں تک ہمارے اختلاف کی بات ہے تو وہ ان دونوں امور سے الگ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ ''البحر'' کے شارح کا یہ قول کہ:

"الربا الزيادة لغة" ''لغت میں ربا بڑھوتری کو کہتے ہیں۔''

اور بڑھوتری سے مراد مبیع میں بڑھوتری ہے۔ اگر اس بڑھوتری سے مراد ہر طرح کا اضافہ ہے تو اس سے بیع مرابحہ وغیرہ کی حرمت بھی لازم آتی ہے۔ اور اگر مراد سودی اضافہ ہے تو اس کے لیے اس معاملے کا سودی محل و مقام (یعنی ان چھ اجناس یا علت کی بنیاد پر ان سے ملحق اشیاء) میں پایا جانا ضروری ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔

مانع: ﴿وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ آیت ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ سے زیادہ خاص ہے' اس لیے اسے مقدم رکھا جائے گا۔ اسی کی طرف شرح ''البحر'' میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مجیز: ہم واضح کر چکے ہیں کہ ﴿وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ نزاعی مسئلہ سے متعلق نہیں اور نہ ہی یہ مسئلہ ربا کے ذیل میں آتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بیع کی وہ اقسام اس کے ذیل میں نہیں آتیں جن کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے کہ وہ ربا کے لفظ کے تحت داخل ہے۔ لہٰذا یہ استدلال بھی درست نہیں۔

مانع: آیتِ ربا میں ممانعت ہے جبکہ آیت بیع میں اجازت ہے۔ اور حرمت تو اباحت پر مقدم ہوتی ہے۔ شارح ''البحر'' نے اس جانب بھی توجہ دلائی ہے۔

مجیز: اس کا جواب گزر چکا ہے کہ مسئلہ زیر بحث تحریم ربا کی آیت کے تحت نہیں ہے۔ ممانعت تو اس کی فرع ہے اور فرع تب درست ہوگی جبکہ اصل مسئلہ ربا کے لفظ کے تحت داخل ہو اور ایسا نہیں ہے۔ یہ دونوں دلائل جو سائل اور شارح ''البحر'' نے ذکر کیے ہیں ہم نے بھی تکمیل بیان کے لیے ذکر کر دیے ہیں' ورنہ یہ دلائل پہلے بھی گزر چکے ہیں۔

مانع: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ﴾ (النساء: ۲۹) جبکہ ہم جانتے ہیں کہ خریدار مرضی سے یہ سودا نہیں کر رہا اور وہ اس بیع میں آزاد مرضی سے شامل نہیں ہوا بلکہ مجبوراً ہوا ہے' لہٰذا یہ بیع مکرہ (مجبور کی بیع) سے مشابہ ہے۔

مجیز: معاملہ ایسا نہیں ہے۔ خریدار اختیار اور رضامندی سے سودا کرتا ہے۔ باشعور لوگوں میں معاہدے اسی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ چلو ہم مان بھی لیں کہ اس سودے میں اس کی رضامندی شامل نہیں' لیکن تمہارے نزدیک تو بیع مضطر صحیح ہے۔

مانع: سود میں بڑھوتری مدت کے بدلے ہوتی ہے۔ ادھار کا یہ معاملہ اسی کی مانند ہے۔ یہاں فرق کیا ہے؟

مجیز: یہ بے بنیاد دعویٰ ہے۔ سودی اضافہ تو حرام ہے چاہے نقد ہو' اور یہ مدت کے بدلے بھی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر صرف ربا النسیہ ہی حرام ہوتا۔ مزید یہ بھی یاد رہے کہ تم لوگ ربا الفضل کی حرمت کے قائل ہو [اور ربا الفضل میں سود مدت کے بدلے نہیں ہوتا]۔

مانع: مجیز نے ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ سے دلیل پکڑی ہے' لیکن ''البحر'' میں ہے کہ یہ آیت عام ہے لہٰذا سود کے خلاف ہے' یعنی اس سے استدلال درست نہیں' ورنہ اس آیت کے عموم کی بنیاد پر ربا کا جواز لازم آئے گا۔

مجیز: مذکورہ آیت ہر طرح کی بیع کی حلت پر دلالت کرتی ہے جبکہ آیتِ ربا' ربا کی حرمت پر نازل ہوئی ہے اور سنت نے اسے واضح کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ آیت عام سے خاص ہو گئی ہے۔ اور ادھار پر فروخت شدہ شے کا معاملہ اسی طرح آیتِ بیع کے عموم پر رہے گا جیسا کہ دیگر بیوع کا معاملہ ہے کہ جن کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ آیت سے ہمارا استدلال مکمل ہوا جو آیت کی دلالت میں متفق علیہ اصول کے مطابق ہے کہ:

''تجارت کی حلت باہمی رضامندی میں ہے اِلاّ یہ کہ کوئی دلیل اس اصول کو بدل دے۔''

اور اس اختلافی مسئلہ میں ابھی تک کوئی ایسی دلیل نہیں آئی جو اس اصل (یعنی حلت) کو حرمت کی طرف پھیر دے۔

مانع: اس طرح کی متنازع بیع کرنے والے لوگوں کی ضروریات کی گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ کشادگی اور ارزانی کے زمانہ میں یہ لوگ ذخیرہ اندوزی کر کے اس شے کے بیچنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

مجیز: اولاً: آپ کی یہ دلیل ''ادھار پر مہنگی شے فروخت کرنے'' کے معاملے میں ایک خاص نوعیت کی حامل ہے جو اشیاء خوردنی سے متعلق ہے' جبکہ آپ کا دعویٰ زیادہ عام تھا۔ آپ نے کپڑے کی مثال دی تھی جس میں مذکورہ صورت حال کا سامنا نہیں ہوتا۔ یہ دلیل دعویٰ کے ایک خاص حصے سے متعلق ہے۔

ثانیاً: مالک اپنی شے فروخت کرنے میں بااختیار ہوتا ہے جب چاہے اسے بیچنے کے لیے پیش کرے' اور آپ کی یہ بات کہ ''وہ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں'' ہماری بحث سے بالکل ایک الگ معاملہ ہے۔ ذخیرہ اندوز کی خرید وفروخت اصولاً صحیح ہے' کیونکہ نہی احتکار (ذخیرہ اندوزی) پر ہے نہ کہ ذخیرہ اندوز کی خرید وفروخت پر۔ ''البحر'' میں اس کی تصریح ہے کہ ذخیرہ اندوز کی خریداری درست ہے [اگرچہ ذخیرہ اندوزی حرام اور ممنوع ہے]۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بات دعویٰ کے محدود حصے سے متعلق ہے' کیونکہ ہر شے کی ذخیرہ اندوزی ممکن نہیں ہوتی۔ پس ہماری بات مکمل ہوئی۔ گزشتہ دلائل کا احاطہ کرنے کے بعد جان لینا چاہیے کہ بیع النسیئة (ادھار پر مہنگی شے فروخت کرنا) جائز ہے اور اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔

لہٰذا اس میں بیچنے والے اور خریدنے والے کو روکنا درست نہیں۔ اختلافی امور کو منکر نہیں قرار دینا چاہیے جیسا کہ اپنے اپنے مواقع پر واضح کیا گیا ہے۔ پس بیع النسیئة کا انکار کرنے والا جاہل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!☆

(حاشیہ از محقق)

☆ میں (عقیل بن محمد) کہتا ہوں: جہاں تک سنن ابی داؤد میں رسول اللہ ﷺ کے قول کا تعلق ہے کہ:

((من باع بیعتین فی بیعة فله او کسهما او الربا))

''جس نے ایک بیع میں دو سودے کیے وہ دونوں میں سے کم تر کو اختیار کرے' ورنہ سود ہوگا۔''

اس حدیث کے بارے میں منذری نے کہا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عمرو بن علقمہ ہے جس پر بہت سے محدثین نے جرح کی ہے۔ محمد بن عمرو سے جو روایت زیادہ مشہور ہے وہ دراوردی اور محمد بن عبداللہ الانصاری کے طرق سے ہے کہ: انه ﷺ نهی عن بیعتین فی بیعة ''رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

خطابیؒ نے معالم السنن (۵۔۹۷) میں کہا ہے:

''میں فقہاء میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے اس حدیث کے ظاہر کے مطابق فتویٰ دیا ہو یا [ایک سودے کی] دو قیمتوں میں سے کمتر قیمت پر بیع کو صحیح کہا ہو سوائے ایک رائے کے جو اوزاعیؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور یہ ایک باطل رائے ہے' [فقہاء کا حدیث کے ظاہر کے مطابق فتویٰ نہ دینا] اس لیے ہے کہ اس طرح بیع میں دھوکا اور [شے کی حقیقت سے] لاعلمی [کا امکان ہوسکتا] ہے۔''

شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے:

''یہ بات کچھ ڈھکی چھپی نہیں کہ اوزاعیؒ نے جو کہا ہے وہ حدیث کا ظاہری پہلو ہے کیوں کہ اس طرح کی بیع کے حکم سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک سودے کی دو قیمتوں میں سے کمتر قیمت کو اختیار کرنے پر بیع کو صحیح مانا جائے۔''

(حاشیہ گزشتہ صفحہ سے)

◄◄ خطابی کہتے ہیں:

''محمد بن عمرو عن ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ کی سند سے مروی مشہور متن درج ذیل ہے:
انه نهى عن بيعتين في بيعة (آپ ﷺ نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا۔)

یہ روایت ہم (خطابی) سے اصم نے انہوں نے ربیع سے انہوں نے شافعی سے انہوں نے دراوردی سے اور انہوں نے محمد بن عمرو سے —— اور [اسی طرح] یہ روایت ہم سے محمد بن ادریس الحنظلی نے بیان کی' انہوں نے اسے محمد بن عبداللہ الانصاری سے روایت کیا اور انہوں نے محمد بن عمرو سے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جو بواسطہ یحییٰ بن زکریا محمد بن عمرو سے ابوداؤد نے نقل کی ہے (جس میں **فله اوكسهما اوالربا** کے الفاظ ہیں) تو ایسا لگتا ہے کہ اس روایت میں بیان کیا گیا حکم ہم جنس شے سے متعلق ہے' جیسے ایک شخص نے کسی کو ایک دینار دیا تا کہ وہ ایک مہینے کے بعد اسے دو قفیز (غلے کا پیمانہ) غلہ دے۔ جب مدت گزری اور اس نے گندم طلب کی تو اس نے اسے کہا کہ: مجھے وہ دو قفیز' جو تیرے میرے ذمہ واجب الادا ہیں' مزید ایک ماہ کے لیے دو قفیز کے بدلے بیچ دو۔ دراصل یہ دوسری بیع ہے جو پہلی بیع پر داخل ہوئی لہٰذا اب یہ ایک بیع میں دو بیع کا معاملہ ہو گیا ہے۔ اب ان دونوں بیوع کو کم تر قیمت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اصول یہی ہے۔ اب اگر ان دونوں (قرض خواہ اور مقروض) نے قبل القبض دوسرا سودا کر لیا تو دونوں سودی معاملے میں ملوث ہو گئے۔''

میں (عقیل بن محمد) کہتا ہوں: النہایہ میں ابن اثیر نے یہی مفہوم بیان کیا ہے اور شوکانی نے بھی ابن رسلان سے اس طرح نقل کیا ہے۔

خطابی نے کہا ہے:

''ایک بیع میں دو سودوں کی ممانعت (والی حدیث) کا مفہوم دو طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بائع کہے: میں نے یہ کپڑا تجھے دس کا نقد اور پندرہ کا ادھار پر بیچا' تو یہ جائز نہیں ہے' کیونکہ مالک نہیں جانتا کہ خریدار نے دو قیمتوں میں سے کونسی قیمت قبول کی ہے جس پر بیع واقع ہوتی اور جب قیمت مجہول ہو تو بیع باطل ہو جاتی ہے۔''

میں کہتا ہوں: یہی بات سماک نے کہی ہے اور امام احمدؒ نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے اور صاحب **المنتقى على الموطأ** نے بھی نقل کیا ہے اور یہی مفہوم امام شوکانیؒ نے امام شافعیؒ سے بھی نقل کیا ہے۔

شوکانی کہتے ہیں:

''ابن الرفعۃ نے قاضی (عیاض) سے نقل کیا ہے کہ یہ مسئلہ اس مفروضے پہ قائم ہے کہ مشتری نے بائع کا ایجاب مبہم طور پر قبول کیا ہے' لیکن اگر مشتری یہ کہے کہ میں نے ہزار نقد پر یہ سودا قبول کیا یا پندرہ سو ادھار پر یہ سودا قبول کیا' تو یہ صحیح ہوگا۔

خطابیؒ نے کہا ہے:

اور دوسری صورت (جو ایک بیع میں دو سودوں پر نہی سے متعلق ہے) یہ ہے کہ بائع یہ کہے کہ میں نے اس شرط پر تمہیں یہ غلام بیس دینار کا بیچا ہے کہ تم اپنی لونڈی دس دینار میں مجھے بیچو گے۔ یہ بیع بھی بیع فاسد ہے' کیونکہ وہ غلام کی قیمت بیس دینار مقرر کر رہا ہے اور مشتری پر یہ شرط بھی عائد کر رہا ہے کہ وہ اپنی لونڈی بھی اسے دس دینار میں فروخت کرے' اور مشتری پر اس شرط کا پورا کرنا لازم نہیں' اور جب لازم نہیں ہے تو اس طرح قیمت کا ایک حصہ ساقط ہو جائے گا اور جب قیمت کا ایک حصہ ساقط ہو جائے تو باقی قیمت مجہول ہو جائے گی۔

◄◄

اور اسی قبیل سے ہے کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے یہ کپڑا تجھے اس شرط پر دو دینار کا فروخت کیا کہ تو مجھے ان دو دینار کے بدلے بیس یا تیس درہم بیع صرف کی صورت میں ادھار دے۔

لیکن جب مالک' خریدار کو دو چیزیں ایک قیمت پر فروخت کرے تو یہ جائز ہوگا' مثلاً گھر اور کپڑا یا غلام اور کپڑا۔ لہٰذا یہ ایک بیع میں دو سودوں کی نوع سے نہیں ہے۔ یہ ایک سودا ہے جس نے دو چیزیں ایک معلوم ثمن کے تحت اکٹھی کر دی ہیں۔ ایک بیع میں دو سودوں کی جو دو صورتیں ہم بیان کر آئے ہیں اکثر فقہاء کے نزدیک وہ دونوں صورتیں فاسد ہیں۔ طاووس سے روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مالک' خریدار سے کہے کہ یہ کپڑا نقد دس کا ہے اور مہینے کے ادھار پر پندرہ کا' جبکہ خریدار دونوں قیمتوں میں سے ایک کو اختیار کر لے۔

میں (عقیل بن محمد) کہتا ہوں: النہایہ (لابن اثیر) میں ہے کہ: ایک بیع میں دو سودوں کی ممانعت (اس صورت میں ہے) کہ مالک کہے: میں نے یہ کپڑا تجھے دس کا نقد اور پندرہ کا ادھار پر بیچا اور اسے پتا نہ ہو کہ خریدار نے دونوں قیمتوں میں سے کون سی قیمت قبول کی ہے جس پر بیع واقع ہو۔ اور انہی ممنوع صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مالک کہے: میں نے تجھے یہ شے اس شرط پر بیس کی بیچی کہ تو اپنا کپڑا مجھے دس میں بیچے گا۔ اس عقد میں یہ شرط صحیح نہیں ہوگی' لہٰذا اس شرط کے گرنے سے قیمت کا بعض حصہ گر جائے گا اور باقی قیمت مجہول ہو جائے گی۔ حالانکہ بیع اور شرط یا بیع اور قرض کو اکٹھا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان دونوں صورتوں میں بیع و شرط یا بیع و قرض پایا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک حدیث کے اس حصے کا تعلق ہے کہ **((فلہ اوکسھما او الربا))** یعنی بائع کے لیے دونوں قیمتوں میں سے کم تر قیمت ہے یا پھر سود' تو اس کے بارے میں شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ: حدیث کے اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ بائع اور مشتری اگر (ایک سودے کی) دو قیمتوں میں سے کمتر کو اختیار کرنے کی بجائے زیادہ کو اختیار کرتے ہیں تو وہ حرام کردہ سود میں پڑ گئے۔ یہی مفہوم ابن رسلان کی وضاحت سے بھی متبادر ہوتا ہے' لیکن اس حدیث کی وضاحت امام احمد نے سماک کے حوالے سے بیان کی ہے اور شافعیؒ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے تو اس میں اس شخص کے لیے دلیل ہے جو اس موقف کا قائل ہے کہ ادھار کی صورت میں کسی شے کو نقد کے مقابلے میں زیادہ ثمن پر بیچنا حرام ہے اور یہ مسلک زین العابدین علی بن الحسین' ناصر' منصور باللہ' ہادویہ اور امام یحییٰ کا ہے' جبکہ شافعیہ' حنفیہ' زید بن علی' المؤید باللہ اور جمہور جواز کے قائل ہیں' کیونکہ اس بیع کے جواز کے دلائل میں عموم ہے اور یہ مذہب قوی ہے' کیونکہ ممانعت کی دلیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ پہلی روایت ہے جس کے راوی پر تنقید تم جان چکے ہو' مزید یہ کہ اسی راوی سے ایک اور روایت بھی مشہور ہے جسے کسی اور نے روایت کیا ہے اور اس روایت میں ''**فلہ اوکسھما او الربا**'' کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ صرف یہ الفاظ ''**نھی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین فی بیعۃ**'' ہیں' لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ روایت کا یہ ٹکڑا ''**فلہ اوکسھما او الربا**'' نقل کرنے میں یہ راوی منفرد ہے' بطورِ حجت پیش کیا جا سکتا ہے' تب بھی اس کی ایسی تاویل ممکن ہے کہ جس سے اس روایت کو محلِ نزاع کے لیے بطور دلیل پیش نہ کیا جا سکے گا' جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ابن رسلان نے متنازع فیہ مسئلہ کے لیے اس روایت سے استدلال پر تنقید کی ہے۔ مزید یہ کہ اس روایت سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسی بیع ممنوع ہے جو اس صورت میں واقع ہو کہ بائع یہ کہے کہ: (یہ شے) نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی' لیکن اگر اس نے بیع کے شروع میں ہی کہا کہ: میں صرف ادھار اتنے پر بیچتا ہوں اور یہ قیمت شے کی موجودہ قیمت سے زیادہ (بھی) تھی (تو یہ معاملہ درست ہوگا)۔ حالانکہ اس روایت سے دلیل پکڑنے والے' مذکورہ صورت کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اور حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی۔ پس دلیل دعویٰ سے زیادہ خاص ہے۔

اور ہم نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے' جس کا نام ہم نے ''**شفاء الغلل فی حکم زیادۃ الثمن لمجرد الاجل**'' رکھا ہے۔ اس میں ہم نے اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح واضح کیا ہے۔ ایک بیع میں دو سودوں کی حرمت کی

علّت قیمت کا عدمِ استحکام ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شے دو قیمتوں کے بدلے فروخت کر دی جائے۔ اور اس صورت کی حرمت کی علت کہ جس میں بائع اپنی کوئی شے کسی کو اس شرط پر بیچے کہ وہ بھی اپنی فلاں شے اس کو بیچے گا التعلیق با لشرط المستقبل ہے (اوپر بیان شدہ) گندم کے قفیز والی صورت میں بھی سود لازم آئے گا۔

میں (عقیل بن محمد) کہتا ہوں: اس سے تم پہ واضح ہو گیا ہو گا کہ اس مسئلے میں امام شوکانی' امام صنعانی سے متفق ہیں کہ: مدت کے بدلے شے کی قیمت میں اضافہ جائز ہے اور یہی مسلک حق ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ اسی کے مطابق ہے' جیسا کہ ان سے شیخ ابن عثیمین نے نقل کیا ہے۔ معاصرین میں سے اس مسئلے کے جواز پر شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور محمد بن صالح بن عثیمین نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

(۱) شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے کہا ہے:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو اکیلا ہے اور درود وسلام ہو اس پر کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں' (درود وسلام ہو) اس کی آل پر اور اس کے صحابہ پر۔

بعد از اں مجھ سے شکر کی بوری وغیرہ کی فروخت کے بارے میں سوال پوچھا گیا ہے جو ایک مدت کے ادھار پر ایک سو پچاس روپے کی ہے جبکہ اس کی نقد قیمت سو ریال کے برابر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ: اس معاملے میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ بیع نقد' بیع مؤجل نہیں ہے۔ اور مسلمان ہمیشہ سے اس طرح کا معاملہ کرتے آئے ہیں اور ان کا یہ معمول اس کے جواز پر اجماع کی مانند ہے۔ کچھ اہلِ علم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے مدت کے بدلے زیادتی (وصول کرنے) سے منع کیا ہے اور اسے ربا سمجھا ہے۔ اس قول کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی اس معاملے کا تعلق ربا سے ہے' کیونکہ تاجر جب کسی خاص مدت تک کے لیے کوئی خاص شے فروخت کرتا ہے تو وہ اس مدت پر زیادہ نفع حاصل کرنے کی خاطر ہی راضی ہوتا ہے' جبکہ خریدار مہلت کے بدلے اور نقد ثمن کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے زیادہ رقم دینے پر راضی ہوتا ہے۔ پس اس معاملہ میں دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نبی ﷺ سے ایک روایت ہے جو اس (معاملہ) کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کو حکم دیا کہ وہ لشکر کا سامان تیار کریں تو وہ ادھار پر دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ خریدتے تھے۔ مزید یہ کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم کے تحت داخل ہوتا ہے کہ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾

''اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کے لیے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔''

اور مذکورہ معاملہ اس آیت کے تحت داخل جائز مداینات (ہی) سے متعلق ہے۔ اور یہ بیع سلم کی نوع سے ہے۔ بیع سلم میں بائع اناج وغیرہ جیسی اجناس' جس میں سلم کا معاملہ شرعاً صحیح ہو' کو آج کی قیمت سے فروخت کرتا ہے جو عام طور پر اس قیمت سے کم ہوتی ہے جو مبیع (مسلم فیہ) کو حوالہ کرتے ہوئے ہوتی ہے اور اس کی (کم قیمت پر اناج فروخت کرنے) کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اس کو ثمن تو آج نقد مل رہی ہے جبکہ اس کو مبیع حوالے کرنے کے لیے مہلت مل رہی ہے اس سلم کے معاملے کی بیع مؤجل کے ساتھ معنوی مشابہت ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ بیع مؤجل میں مبیع نقد اور ثمن ادھار ہے جبکہ بیع سلم میں ثمن نقد اور مبیع ادھار ہے۔ جس طرح بیع سلم حاجت کی بنا پر جائز ہے اسی طرح بیع مؤجل بھی۔ بیع سلم میں مبیع میں زیادتی صرف قیمت نقد لینے اور مبیع بعد میں دینے کی وجہ سے ہے' بعینہ اسی طرح بیع مؤجل میں ثمن میں زیادتی مبیع نقد لینے اور ثمن بعد میں دینے کی وجہ سے ہے۔ (مزید تفصیلات کے لیے) کتاب دیکھو: من احکام الفقه الاسلامی وماجاء فی المعاملات الربویه و احکام المداینة' تألیف الشیخ عبداللہ بن جار اللہ ص ۲۹۔۳۱

(۲) الشیخ محمد بن صالح بن عثیمین نے اپنے رسالے اقسام المداینۃ میں کہا ہے کہ:

مداینہ کی اقسام:

پہلی قسم: خریدار سودا خریدنا چاہتا ہے اور نقد دینے کے لیے اس کے پاس قیمت موجود نہیں ہے' وہ ایک مدت تک کے لیے حاضر قیمت سے زیادہ قیمت پر شے خریدتا ہے تو یہ جائز ہے۔ مثال کے طور پر وہ رہنے کے لیے یا کرایہ پر چڑھانے کے لیے ایک سال کے ادھار پر دس ہزار کا ایک مکان خریدتا ہے' جسے اگر وہ نقد خریدے تو اس کی قیمت نو ہزار ہے۔ یا وہ سواری کے لیے یا کرایہ پر چڑھانے کے لیے ایک سال کے ادھار پر دس ہزار کی ایک گاڑی خریدتا ہے' جسے اگر وہ نقد خریدے تو اس کی قیمت نو ہزار ہے۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے تحت داخل ہوتا ہے کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾

''اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کے لیے دَین کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔''

دوسری قسم: مشتری ادھار پر ایک سودا خریدے تا کہ اس سے تجارت کرے' مثلاً وہ ادھار پر موجودہ قیمت سے زائد قیمت پر گندم خریدتا ہے تا کہ اسے دوسرے شہر میں لے جا کر تجارت کرے یا بازار میں اس کی قیمت کے بڑھنے کا انتظار کرے یا اسی طرح کا کوئی اور معاملہ کرے تو یہ بھی سابقہ آیت کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان دونوں قسموں کو کتاب وسنت اور اجماع (کی روشنی) میں جائز کہا ہے۔

(ابن قاسم نے مجموع الفتاویٰ میں اس کا ذکر کیا ہے ۲۹۔۴۴۹) ۞۞

بقیہ مضامینِ قرآن

سورۃ کے آخری رکوع میں ستاروں کے گرنے کی جگہ کی قسم کھا کر قرآن مجید کا ذکر بڑی عظمت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی جگہ کی ـــــ اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے ـــــ کہ بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے' جو لکھا ہوا ہے ایک محفوظ کتاب میں۔ اسے وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں (یعنی فرشتے)۔ اُتارا گیا ہے تمام جہانوں کے مالک کی طرف سے۔''

﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝﴾ کے ایک معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ ناپاکی کی حالت میں اس کلامِ پاک کو نہ چھوا جائے' اسے باوضو ہاتھ لگایا جائے' لیکن اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جن کے اندر پاکی نہیں ہوتی' جن کا تزکیہ نفس نہیں ہو چکا ہوتا ان کی رسائی اس کتاب کے اصل مطالب تک نہیں ہو سکتی۔ ویسے تو یہ کھلی اور روشن کتاب ہے لیکن اس کے مطالب و مفاہیم تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی فکر و نظر کے اندر طہارت ہو' اس کی نیت درست ہو' اس میں طلبِ ہدایت پیدا ہو چکی ہو۔ ایسے لوگوں پر اس کے مطالب منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔

آیات ۸۸ تا ۹۴ میں ایک مرتبہ پھر اجمالی طور پر بنی نوعِ انسان کے مذکورہ بالا تین گروہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے' جبکہ اس سورۃ کی آخری آیت تسبیح وتحمید کے اعتبار سے بہت اعلیٰ شان والی ہے: ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝﴾ ''پس آپ اپنے رب کے نام کے ساتھ تسبیح کیجیے جو سب سے بڑا ہے''۔ بعینہٖ یہی الفاظ اس سورۃ کی آیت ۷۴ میں بھی آئے ہیں۔ ۞۞